غـزلیں

بسمل عارفی

○

مانا کہ سمندر کا کنارہ بھی نہیں ہے
پر لوٹ کے جانے کا ارادہ بھی نہیں ہے

الفاظ نے سب کھول دیے راز بدن کے
ویسے تو کسی نے اسے دیکھا بھی نہیں ہے

کیا جائیں ترے شہر میں کس روپ میں جائیں
چہرہ تو بڑی بات مکھوٹا بھی نہیں ہے

کٹ جائے گی کہتے ہو مگر کیسے کٹے گی
وہ رات کہ جس میں کوئی قصّہ بھی نہیں ہے

آئے ہو جو بازار میں تو دیکھ لو کچھ اور
ہر روز نیا چاند نکلتا بھی نہیں ہے

کچھ بات یقیناً ہے مرے یار کے من میں
اس طرح سے چہرہ تو دمکتا بھی نہیں ہے

ہم کھیلنے والے ہیں یہاں کھیل جنوں کا
ویسے تو یہ کہنے کو تماشا بھی نہیں ہے

161/32، جوگابائی، جامعہ نگر، نئی دہلی، موبائل: 8826865632

پی پی سریواستو رندؔ

○

رات ہم سخت امتحان میں تھے
جتنے آسیب تھے مکان میں تھے

زلزلے جو کبھی اُٹھان میں تھے
اب ڈھلانوں کے درمیان میں تھے

تیرگی ناپتی تھی سناٹے
اونگھتے رت جگے تھکان میں تھے

عمر کی آندھیاں تھیں تیز بہت
ہم بھی سانسوں کے سائبان میں تھے

وقت کو کھونٹیوں پہ لٹکا کر
کچھ کھنڈر اب بھی داستان میں تھے

شہر میں قحط روشنی کا تھا
وہ جو ''سورج'' تھے آسمان میں تھے

تتلیاں اُڑ گئیں مگر اے رندؔ
چند جگنو ابھی دکان میں تھے

آر-16، سیکٹر-XI، نوئیڈا- 201301